سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر ۵۶

خونِ تمنا کا انعام

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر ۵۶

خونِ تمنّا کا اِنعام

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

وعظ : خونِ تمنّا کا انعام

واعظ : عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ : ۳ ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ

مرتب : حضرت سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت : ۲ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۱ مئی ۲۰۱۵ء بروز جمعرات

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، +92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

خونِ تمنّا کا انعام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿۳۲﴾[1]

وَقَالَ تَعَالٰی: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾[2]

آج کا موضوع ہے ایمان لانا، ایمان پر جم کر رہنا، ایمان پر مرنا اور ایمان پر مرنے کے طریقے اختیار کرنا۔ یعنی ایمان لانا پھر استقامت سے رہنا یعنی ساری زندگی ایمان کے تقاضوں پر قائم رہنا، نفس اور شیطان کی غلامی سے بچنا، حرام تمناؤں کا خون کرنا اور تمام معاشرے اور سارے عالم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور زمانے سے بالکل نہ ڈرنا، کیوں کہ

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

---

[1] حٰمٓ السجدۃ: ۳۰-۳۲
[2] النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱

اس سے نہ ڈرو کہ زمانہ ہم پر ہنسے گا۔ اگر زمانہ ہنسے گا تو قیامت کے دن تمہیں رونا نہیں پڑے گا، آپ ہنسیں گے اور زمانے کو رونا پڑے گا، کیوں کہ ہنسنے والا احمق اور اللہ و رسول کا نافرمان ہو گا۔

اہل اللہ کی پارٹی

جو لوگ اللہ کے دین پر قائم رہتے ہیں ان کی پارٹی بہت بڑی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ملّاؤں کی پارٹی تھوڑی ہے۔ ملّاؤں کی پارٹی تھوڑی نہیں ہے۔ ایک شخص اللہ والا بنتا ہے تو تمام انبیاء علیہم السلام اس کے ساتھ ہیں، تمام صحابہ اس کے ساتھ ہیں، بے شمار فرشتے اس کے ساتھ ہیں، ساری زمین کے اولیاء اللہ اس کے ساتھ ہیں اور اللہ اس کے ساتھ ہے اور کس کا ساتھ چاہتے ہو؟ کیوں احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کہ داڑھی رکھ لوں گا تو ملّا بن جاؤں گا یا دین پر چلوں گا تو اس معاشرے میں تنہا رہ جاؤں گا اور اقلیت کی وجہ سے لوگ مجھے حقارت سے دیکھیں گے اور ہنسیں گے۔

اقلیت کمتری کی دلیل نہیں

افسوس کہ آپ اقلیت میں ہونے سے ڈرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر لوگ ہنسیں گے۔ سورج کبھی نہیں ڈرتا کہ چوں کہ میں اکیلا ہوں، لٰہذا ٹوٹ ٹوٹ کر ستاروں کی اکثریت میں تبدیل ہو جاؤں، بلکہ سورج جگمگاتا ہوا، اپنا تابناک چہرہ لیے ہوئے اکیلا نکلتا ہے، تو ستاروں کو ٹھینگا دکھا دیتا ہے کہ جاؤ، بھاگ جاؤ یہاں سے، اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ سارے ستارے روپوش ہو جاتے ہیں، ستاروں میں دم نہیں ہے کہ سورج کے مقابلے میں آسکیں۔ اب اس شعر کو سمجھیے ؎

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دَم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

جس طرح ستاروں میں دم نہیں ہے کہ سورج کا مقابلہ کر سکیں، اسی طرح کسی اللہ والے کے مقابلے میں ساری کائنات ایک طرف ہو جائے تو اس کا بال بھیگا نہیں کر سکتی، سارا زمانہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، کیوں کہ اللہ اس کے ساتھ ہے، بلکہ اس کو بگاڑنے والے بگڑ جاتے ہیں اور صرف

خود نہیں بگڑتے بلکہ کئی کئی پشت تک بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ کسی ولی اللہ کو ستانے پر صرف ستانے والا ہی نہیں تباہ ہوتا، بلکہ اس کی کئی پشتوں پر تباہی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

دس پشتوں تک رحمت کا نزول

اور اللہ والوں کا ساتھ دینے والوں پر اور جو اللہ والی زندگی گزارتے ہیں، صرف ان پر ہی خدا کی رحمت کی بارش نہیں برستی، ان کی دس پشتوں تک اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش برسا دیتا ہے کہ یہ میرے غلاموں کے غلام ہیں، ان کی ذُرّیات اور اولاد ہیں۔

قرآن شریف میں یہ واقعہ ہے کہ یتیم بچوں کی جو دیوار گر رہی تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا، حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے خضر! یہ یتیم بندے ہیں، ان کی دیوار کو اُٹھا دو، کیوں کہ اس کے نیچے ان کے باپ کا خزانہ ہے جو میرا وفادار تھا، جس نے نفس و شیطان کا مقابلہ کرکے میری مرضی اور خوشی کو ترجیح دی تھی، جس نے مجھ کو راضی کرنے کے لیے اپنی تمام خوشیوں کو آگ لگا دی تھی۔

نفس کی ناجائز اور حرام خوشیاں، نافرمانی کی خوشیاں، سینما، ٹی وی، وی سی آر دیکھنے کی خوشیاں، عورتوں کو بُری نظر سے دیکھنے کی خوشیاں، تاش کھیلنے کی خوشیاں، چرس و نشہ کی خوشیاں، دنیا میں جتنی بھی حرام خوشیاں ہیں سب کو اللہ والا اللہ کی خوشی کے لیے آگ لگا دیتا ہے اور کیسے لگاتا ہے۔

خوشی کو آگ لگا دی خوشی خوشی میں نے
خوشا نصیب کسی کا ملا مجھے غم ہے

تب اس پر اللہ فضل فرماتے ہیں۔ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے ان دو یتیم بندوں کا باپ صالح تھا، اس کی صالحیت و وفاداری پر اللہ کا کرم ہوا، تو صرف اسی پر نہیں ہوا اور اس کی صرف ایک ہی پشت پر نہیں ہوا، بلکہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ کَانَ الْاَبَ السَّابِعَ یہ ساتواں باپ تھا، سات باپ گزر چکے مگر ساتویں پشت پر بھی فضل ہو رہا

ہے کہ اگر دیوار گر گئی تو اس کے بچے جو یتیم ہیں، چھوٹے ہیں، کمزور ہیں، اپنے حق سے محروم ہو جائیں گے، لہٰذا یہ دیوار بھی نہ گرے، جب یہ لڑکے بڑے ہو جائیں پھر یہ دیوار گر جائے تاکہ وہ اپنا خزانہ لے لیں۔ ابھی گرنے میں خطرہ ہے کہ بچے کمزور ہیں، خاندان دشمن ہوتا ہی ہے، رشتہ دار سب مال لوٹ لیں گے تو میرے اس وفادار بندے کی ذُریات پر بلا آجائے گی۔
علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کَانَ الْاَبَ السَّابِعَ وہ ساتواں باپ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ کَانَ الْاَبَ الْعَاشِرَ[۳] دسواں باپ تھا۔

لاہور کے ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اُٹھائی جو جامعہ اشرفیہ کے بانی اور حکیم الامت کے بڑے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک مجلس میں مفتی صاحب نے یہ بات کہی کہ کَانَ الْاَبَ السَّابِعَ وہ ساتواں باپ تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اس روایت کو علماء کے سامنے بحوالہ مفتی محمد حسن صاحب پیش کروں گا تو اس کا وہ وزن نہیں ہو گا جو اصل حوالہ کا ہو گا، لہٰذا میں نے تفسیر روح المعانی کی طرف رجوع کیا تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ کَانَ الْاَبَ السَّابِعَ اَوِ الْاَبَ الْعَاشِرِ کہ وہ مرد صالح ان یتیم بچوں کا ساتواں باپ تھا یا دسواں، تو اللہ والوں کی دس دس پشتوں تک اللہ کی رحمت برستی ہے۔

مومنینِ کاملین کی اولاد کا ایک خاص اعزاز

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ والا بن کر دنیا سے چلا جائے اور اس کی اولاد صرف فرض، واجب، سنت مؤکدہ ادا کرے، زیادہ تہجد اور نوافل اپنی نالائقی، غفلت اور سستی سے نہ کر سکے، لیکن پھر بھی وہ ان ہی کے ساتھ لاحق کر دی جائے گی۔ یہ اس اللہ والے کا دل خوش کرنے کے لیے ہو گا۔ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ[۴] کی تفسیر دیکھیے۔

حکیم الامت نے بیان القرآن میں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں

---

[۳] روح المعانی: ۱۶/۱۳، الکھف (۸۲)، دار احیاء التراث، بیروت
[۴] الطور: ۲۱

یہ تفسیر کی ہے کہ یہ ذریت کیا ہے؟ یہ ان کی اولاد ہے۔ کون سی اولاد؟ جو بڑی ہوچکی، اور چھوٹی اولاد کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ اپنے اللہ والے آباء سے ملادی جائے گی وَمَاۤ اَلَتۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَمَلِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اور ان کے عمل میں بھی کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ نہیں کہ ان کا عمل تہجد ونوافل وغیرہ کاٹ کر ان سستوں اور کاہلوں کو دے دیا جائے، نہیں! کچھ کمی نہیں کی جائے گی، محض ان کے اعزاز واکرام کے لیے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ لاحق کردیں گے لِتَسۡلِیَتِہِمۡ وَلِسُرُوۡرِہِمۡ[۵] تاکہ ان کو تسلی ہو اور ان کا دل خوش ہوجائے۔

الحاق مع الکاملین کے متعلق ایک مسئلۂ سلوک

یہاں ایک بڑی خوشی اور بشارت کی بات سناتا ہوں۔ حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر میں جو احادیث ہیں ان میں ایک حدیث میں ذُریات کے بعد اولاد کو عطف کیا گیا ہے تو حضرت بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے علاوہ بھی کوئی ذُریات ہے یعنی ذُریت سے مراد مطلق توابع ہیں، لہٰذا اس میں ان شاء اللہ شاگرد، مریدین اور احباب بھی شامل ہوجائیں گے۔ تلامذہ اور مریدین یہ دونوں محبت اور اطاعت کا تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے بھی داخلے کی گنجایش ہے۔ تو مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی۔ حضرت نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس میں تلامذہ اور مریدین بھی شامل ہیں، یہ بھی ذُریات ہیں، روحانی اولاد ہیں۔

اللہ والوں سے بدگمانی کا انجام

ایمان لانے کے بعد ایمان پر جمے رہنا یہ اہم بات ہے۔ بعض لوگ ایمان تولے آئے، لیکن ایمان کے تقاضوں پر جمتے نہیں، اپنی من مانی زندگی گزارتے ہیں، جو جی چاہا کرلیا، معلوم ہوتا ہے کہ جی کے غلام ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ ایک بزرگ جنگل میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا، پھر میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ باربار یہی رٹ لگارہے تھے کہ نہ تو میرا خدا نہ میں تیرا بندہ، تیرا کہنا کیوں مانوں؟

[۵] روح المعانی: ۳۳/۲۷، الطور (۲۱)، دار احیاء التراث، بیروت

ایک مولوی صاحب اُدھر سے جارہے تھے ان کی یہ بات سن کر کہنے لگے هٰذَا كَافِرٌ وہ بزرگ بھی عربی جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا! ذرا اِدھر تو تشریف لائیے، آپ نے مجھ پر کفر کا فتویٰ کیوں لگایا؟ مولانا نے کہا آپ کہہ رہے ہیں، نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا تو میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ بزرگ نے ان سے کہا کہ پہلے آپ مجھ سے یہ بھی تو پوچھتے کہ میں یہ بات کس سے کہہ رہا ہوں؟ میرا مخاطب کون ہے؟ میں یہ بات اپنے نفس سے کہہ رہا ہوں، میرا نفس بار بار مجھے ایک گناہ کے لیے اُکسا رہا تھا، اس لیے میں اپنے نفس سے کہہ رہا تھا کہ میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ تو میرا خدا نہیں ہے نہ میں تیرا بندہ ہوں، اللہ کا بندہ ہوں، اللہ جو کہیں گے وہ کروں گا، تیرا کہنا نہیں مانوں گا۔ تب انہوں نے کہا اچھا میں اپنا کفر کا فتویٰ اپنی جھولی میں واپس لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے بارے میں کسی قسم کا گمان قائم کرنے میں جلدی مت کرو، اللہ والوں کے بارے میں جلدی زبان مت کھولو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں۔

متہم کم کن بدزدی شاہ را

یہاں کم بمعنیٰ ’’بالکل نہیں‘‘ کے ہے۔ بعض لوگ فارسی کے کم کو اُردو کے کم سے ترجمہ کرتے ہیں، کیوں کہ اس کا تو اُردو ترجمہ ہوگا کہ شاہ لوگوں کو، اللہ والوں کو چور کی تہمت کم لگاؤ، جس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ تھوڑی تھوڑی تہمت لگا سکتے ہیں، لیکن جو فارسی نہیں جانتے وہ ہی ایسا ترجمہ کرتے ہیں۔ فارسی جاننے والے جانتے ہیں کہ فارسی میں کم کے معنیٰ مطلق نفی کے ہیں، یعنی کبھی ہرگز اللہ والوں کو چوری کا الزام نہیں لگانا۔

متہم کم کن بدزدی شاہ را

شاہ کو تم چور کہتے ہو، اس کے خزانے میں کیا کمی ہے؟ اللہ کے خاص بندوں کو عیب مت لگاؤ، جیسے کوئی یہ کہے کہ فلاں بادشاہ کا ملازم استنجا کرنے گیا تو بادشاہ نے ایک ہزار روپے اس کی جیب سے چرا لیے۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین آئے گا؟ جبکہ وہ پانچ پانچ لاکھ کی ایک گاڑی خریدتا ہے۔ بتائیے ایسا بادشاہ اپنے ملازم کا ایک ہزار روپیہ چرائے گا؟ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

متہم کم کن بدزدی شاہ را
عیب کم گو بندۂ اللہ را

کہ بادشاہ پر چوری کا الزام لگانا بے وقوفی اور حماقت ہے۔

پس اللہ والوں پر کسی عیب کا الزام مت لگاؤ اور نہ ان کی عیب جوئی کرو، ورنہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہاڑ کے دامن کے ایک ذرے نے پہاڑ سے کہا کہ اے پہاڑ! میں تجھ کو تولوں گا، تو بہت ہی سر اُٹھائے ہوئے ہے، میں تجھے تولنا چاہتا ہوں کہ تجھ میں کتنا وزن ہے؟ تیری کیا بلندیاں ہیں؟ تو پہاڑ نے ہنس کر کہا: اے ذرۂ ناخلف، گستاخ، بد تمیز! اگر تو مجھے ترازو میں رکھے گا تو قبل اس کے کہ تو میری معرفت حاصل کرے تیری ترازو ہی ٹوٹ جائے گی ترازو کا ہی پتا نہیں چلے گا۔ اللہ والوں کو آزمانے والے خود آزمایش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بلاؤں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ایمان لانا اور ایمان لانے کے بعد اس پر جم کر رہنا یعنی استقامت سے رہنا، اس کے متعلق ایک مضمون تفسیر بیان القرآن سے بیان کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان لانا اور ایمان پر جم کر رہنا اور اس جم کر رہنے پر مرتے وقت کیا کیا انعامات ملتے ہیں؟ قرآنِ پاک کی روشنی میں پیش کروں گا اور ایمان پر مرنے کا نسخہ بھی بیان کروں گا جو حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے تاکہ ہر مسلمان کو ایمان پر موت آئے، کافر ہو کر نہ مرے، مگر یہ بات آخر میں بیان کروں گا، اگر بھول جاؤں تو یاد دلا دیجیے گا۔

کلام اللہ میں تقدیم و تاخیر کے عجیب اسرار

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ جن لوگوں نے دل سے اقرار کیا کہ ہمارا حقیقی رب صرف اللہ ہے۔ آج میں تفسیر دیکھ رہا ہوں، لیکن اس سے پہلے بنگلہ دیش میں اس آیت پر بیان کیا تھا تو میں نے یہی عرض کیا تھا کہ اصل میں عبارت تھی اَللّٰہُ رَبُّنَا اللہ مبتدا ہے، کیوں کہ رَبُّنَا کو مبتدا بنانا صحیح نہیں، اگرچہ اس میں نحویوں نے اختلاف کیا ہے، مگر میں نے کہا کہ میں کسی نحوی کی بات نہیں مانوں گا، اس لیے کہ علمائے نحو کا اس پر اجماع ہے کہ مبتدا مسند الیہ ہوتا ہے اور مسند الیہ اتنا قوی ہونا چاہیے کہ خبر اس پر سہارا لے سکے۔ پس اللہ اسم ذات ہے اور رب صفت ہے، صفت کے مقابلے میں ذات پر اسناد کیا جائے گا، چناں چہ حضرت حکیم الامت نے بھی یہی ترجمہ کیا اور اللہ کو مبتدا بنایا۔ مبتدا کو جب مؤخر کیا تو معنیٰ حصر کے

پیدا ہوگئے، جس کا ترجمہ ہوگا کہ ہمارا پالنے والا صرف اللہ ہے، کیوں کہ عربی کا قاعدہ ہے تَقْدِیْمُ مَا حَقُّہُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ جس چیز کو پہلے لانا چاہیے جب اس کو بعد میں لاتے ہیں تو حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی ترجمہ ”صرف“ کرنا پڑے گا جیسے اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[۶] میں اَلَا، اَمَا، ھَا حروفِ تنبیہ ہیں۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ خبر دار! صرف اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ یہاں لفظ ”صرف“ کیوں آیا ہے؟ کیوں کہ بِذِکْرِ اللہِ کا درجہ بعد میں تھا۔ اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کی جگہ اصل عبارت اَلَا تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بِذِکْرِ اللہِ تھی، لیکن جب متعلقات کو مقدم کردیا تو اب اس کے ترجمے میں ”صرف“ لگانا فرض ہے۔ اگر کسی نے اس کا ترجمہ یوں کردیا کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے تو یہ ترجمہ غلط ہوگا، صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ صرف اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو چین ملتا ہے، غیر اللہ سے چین مل ہی نہیں سکتا، ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر چین مل جائے، تھوڑی دیر کے لیے گناہ کا مزہ آجائے، لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟

گناہ کے مزے کی مثال

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ گناہ میں مزہ آنے کی مثال ایسی ہے جیسے خارش میں مزہ آتا ہے۔ کھجلی والا کہتا ہے کہ کھجلانے میں اتنا مزہ آتا ہے کہ جیسے میری شادی ہورہی ہے، شامیانہ لگا ہوا ہے، دعوت ولیمہ کررہا ہوں اور دیگیں چڑھی ہوئی ہیں، بریانی پک رہی ہے، لیکن کھجلانے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ جلن اور بڑھ جاتی ہے اور کھجلاتے کھجلاتے خون نکل آتا ہے، تب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آندھی چلی اور شامیانہ اُڑ گیا، دیگیں بھی اُڑ گئیں اور بیوی بھی مرگئی یعنی سارا کھیل ہی بگڑ گیا۔ یہی حال گناہ کا ہے، تھوڑی دیر کا مزہ ہے اور مستقل سزا ہے، آدمی ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ عقل سے سوچو کہ کوئی غلام اپنے مالک کو ناراض کرکے چین سے رہ سکتا ہے؟ لیکن عادت بُری بلا ہے، بُری عادت پڑجائے تو مشکل ہی سے جاتی ہے، لیکن آدمی ہمت کرلے تو بُری سے بُری عادت چھوٹ جاتی ہے۔

---

[۶] الرعد:۲۸

روحانی ڈاکٹر اور ان کا طریقۂ علاج

اسی طرح جس کو گناہ کرنے کی عادت پڑ گئی ہو تو اس کی اصلاح کروائے، اس کے لیے روحانی ڈاکٹر موجود ہیں، اللہ والے صالحین موجود ہیں، ان سے ملو۔ دیکھیے! دو سال ہو جانے کے بعد بچے پر ماں کا دودھ پینا حرام ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی بچہ پھر بھی دودھ پینے کے لیے ماں سے لڑ رہا ہو، چلّا رہا ہو تو ماں اس کا علاج کرتی ہے اور نیم کی پتی پیس کر چھاتی پر لگا لیتی ہے، اب جب صاحب زادہ منہ لگاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اماں کا دودھ بہت کڑوا ہے، حالاں کہ کڑوا نہیں ہے۔ اس نے علاج کیا ہے تاکہ اس نالائق کی حرام عادت چھوٹے۔ ایسے ہی اللہ والے گناہوں کی چھاتیوں پر اللہ کے خوف کے نیم کی پتیاں لگا دیتے ہیں، ذکر اللہ کی برکت سے، اللہ اللہ کی برکت سے اور اللہ والوں کی صحبت سے دل میں ایسا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ گناہ خود بخود چھوٹ جاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ والوں کے پاس اس لیے نہیں جاتے کہ پھر سینما چھوڑنا پڑے گا، گناہ چھوڑنا پڑیں گے اور تمام مزے داری کی زندگی چھوڑنا پڑے گی۔

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ شخص بے وقوف ہے، اللہ والوں کے پاس جانے سے گناہ چھوڑنا نہیں پڑتے، خود بخود چھوٹ جاتے ہیں اور چھوٹنے کے بعد وہ پچھتاتا بھی نہیں، بلکہ کہتا ہے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ دنیا میں ہی جنت کی زندگی حاصل ہو گئی۔

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ کی صوفیا کے نزدیک ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اللہ والوں کو دنیا ہی میں ایک جنت گناہ چھوڑنے پر بھی ملتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی حضوری جَنَّۃٌ فِی الدُّنۡیَا بِالۡحُضُوۡرِ مَعَ الۡمَوۡلٰی کیوں کہ گناہ میں رہنا دوزخ کی زندگی ہے، آدمی ہر وقت بے چین اور پریشان رہتا ہے، جب گناہ چھوٹ گیا تو آدمی سکون سے جیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ہے جَنَّۃٌ لِتَرۡکِ الۡمَعۡصِیَۃِ [ک] یہ جنت ترکِ معصیت سے ملتی ہے۔

ک مرقاۃ المفاتیح: ۱۶۱/۵، کتاب اسماء اللہ تعالی، باب رحمۃ اللہ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

گناہ خود بخود چھوٹ سکتے ہیں

اس پر حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک آدمی رشوت لینے کا عادی ہے، اس نے سوچا کہ بھائی آج کل بہت ہی کڑکی ہے۔ میمن کی زبان میں کڑکی کہتے ہیں جب پیسے کی تنگی ہو جاتی ہے، میں اس وقت میمن کی زبان بول رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے سوچا کہ لمبا ہاتھ مارنا چاہیے۔ اس نے اپنے دفتر سے بیس ہزار روپے رشوت لی اور موٹر سائیکل پر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستے میں دیکھتا ہے کہ ایک موٹر سائیکل اس کے پاس آکر رُکی، اس پر اس کا گہرا دوست بیٹھا تھا، اس نے آتے ہی کان میں کہا کہ ڈی آئی جی صاحب مع اپنی پولیس گارڈ کے جیپ پر سوار تم کو پکڑنے آرہے ہیں، کیوں کہ تم نے جو رقم رشوت کے طور پر لی ہے اس پر پولیس افسران کے دستخط ہیں، رشوت ستانی کے جرم کو ختم کرنے کے لیے سرکاری طور پر یہ اسکیم چلائی گئی ہے، تاکہ ایسے دوچار کیس پکڑے جائیں تو معاشرے سے رشوت ختم ہو جائے۔ بس یہ سنتے ہی مارے ڈر کے اس کا دل دھڑکنے لگا، اس کے دوست نے کہا کہ ابھی جیپ دو میل کے فاصلے پر ہے اور تیزی سے آرہی ہے اور تمہارا پتا بھی انہوں نے نوٹ کر لیا ہے۔ اب اس نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک گٹر کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔ جب اس نے ڈھکن کھلا ہوا دیکھا، تو کہا: اللہ جزائے خیر دے کے ایم سی والوں کو یا اس چور کو جزائے خیر دے جس نے اس کا ڈھکن چرایا ہے اور اس چور کو ہدایت دے دے کہ آئندہ وہ چوری نہ کرے، پھر اس نے جلدی سے گٹر میں بیس ہزار کے نوٹ ڈال دیے۔ اس کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا اور شکر ادا کیا کہ آج تو یہ گٹر بڑا کام آیا۔ پھر حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ اس وقت اس شخص کو بیس ہزار رشوت کے روپے چھوڑنے پڑے یا چھوٹ گئے اور چھوڑ کر خوشی ہوئی یا ناگواری؟ وہ تو خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جان بچی، کیوں کہ جانتا تھا کہ اگر میں ان نوٹوں سمیت پکڑا جاتا تو جیل کی ہوا کھانی پڑتی، بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جاتا۔ تو اللہ والوں یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کی صحبت کی برکت سے اللہ کا خوف اور جنت اور دوزخ اور قیامت کا میدان ساری چیزیں گویا کہ نظروں کے سامنے آجاتی ہیں پھر آدمی سوچتا ہے کہ بھئی گناہ کرنا تو

بہت ہی خطرناک معاملہ ہے، اور ایسا ایمان نصیب ہو جاتا ہے کہ گناہ چھوڑنے نہیں پڑتے خود بخود چھوٹ جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ الٰہ آباد میں ایک صاحب کی تنخواہ ایک ہزار روپے تھی اور ایک ہزار روپے رشوت بھی لیتے تھے، لیکن جب مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آنے جانے لگے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، تو ان کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو گیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگے کہ اب آیندہ رشوت نہیں لوں گا، کیوں کہ جب دوزخ میں جلوں گا تو کیا تم مجھے خدا کی آگ سے چھڑا لو گی؟ اس نے کہا ہم تو خود پریشان ہوں گے، وہاں پتا نہیں کیا حال ہو گا؟ اس نے کہا پھر آج سے رشوت نہیں لینی ہے اسی ایک ہزار میں گزارا کرنا ہے، تو بیوی نے کہا کہ مگر یہ صبح جو پراٹھا و مکھن وغیرہ ملتا ہے یہ کہاں سے آئے گا؟

یہاں ایک لغت کا حل بتاتا ہوں۔ پراٹھا کے معنٰی جانتے ہو؟ پر آٹھ، یعنی اس کے اندر آٹھ پر ہوتے ہیں، آٹھ پر اگر نہ ہوں تو یہ اصلی پراٹھا نہیں ہے اور اس کو کھانے کے بعد آٹھ پر سے اُڑتا بھی ہے، یعنی طاقت بھی زیادہ آجاتی ہے۔

ایک مرتبہ میں نے بنگلہ دیش میں بیان کیا کہ پرچار کیا چیز ہے؟ جس کے چار پر لگے ہوں یعنی ایڈورٹائیز۔ خیر! اس شخص کی بیوی راضی ہو گئی اور انہوں نے رشوت لینا چھوڑ دی اور علماء سے پوچھ کر اہلِ حقوق کے حق ادا کیے، مہنگا مکان بھی چھوڑ دیا اور پراٹھا وراٹھا سب چھوڑ دیا، باسی روٹی اور رات کے سالن سے ناشتہ شروع کر دیا۔ باسی روٹی میں اللہ نے لذت دی، صحت بھی پہلے سے اچھی ہو گئی، آئے دن جو گیسٹرک کی شکایت رہتی تھی اس سے بھی جان چھوٹ گئی۔ پہلے گیس شادی بیاہ میں باہر جلا کرتی تھی، اب لوگوں کے پیٹوں میں گیسیں جلتی ہیں بلا تیل پانی کے، جس کو دیکھو شکایت کرتا ہے کہ صاحب پیٹ میں بہت گیس ہے۔

ایک طالب علم نے مجھ سے کہا کہ میرے پیٹ میں ہوا بھری رہتی ہے۔ میں نے مزاحاً کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى[۸] پر عمل نہیں کیا اور هَوٰى پر

۸ النّٰزعٰت:۴۰

عمل کرلیا۔ نفس کی خواہشات کا نام قرآنِ پاک میں هَوٰی ہے۔ اگر تم هَوٰی کو روکتے تو یہ ہوا پیدا نہ ہوتی۔ هَوٰی سے مزہ لینے کی سزا میں تمہارے پیٹ میں ہوا گھس گئی۔

خونِ تمنّا تقویٰ کی بنیاد ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں ہر وقت بُرے بُرے تقاضے پریشان کرتے رہتے ہیں، ہر وقت گناہ کے خیالات آتے رہتے ہیں، ان سے ہمیں بہت مایوسی ہوتی ہے کہ اتنا ذکر بھی کرتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں، بزرگوں کے پاس بھی جاتے ہیں، پھر بھی جب بندر روڈ کے سفر پر جاتے ہیں تو کم بخت دل پریشان کرتا ہے کہ حسینوں کو دیکھ لے۔

اس لیے دوستو! میں کہتا ہوں کہ گناہ کے تقاضوں سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جو حساب کے لیے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔ تو اس خوف کی علامت کیا ہے؟ آگے فرماتے ہیں:

وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی

اس خوف کی علامت یہ ہے کہ جب اس کے نفس میں بُری خواہشات پیدا ہوتی ہیں تو ان پر عمل نہیں کرتا، اپنی تمناؤں کا خون کرلیتا ہے، مگر اللہ کو ناراض نہیں کرتا۔ هَوٰی کے معنیٰ ہیں بُری خواہشات، گندے تقاضے۔ معلوم ہوا کہ اگر هَوٰی نہ ہو، بُری خواہشات نہ ہوں تو نَهٰی کس بات کی ہوگی؟ کس چیز کو روکو گے؟ ہر نَهِی اپنے مَنۡهِي عَنۡهُ کو چاہتی ہے۔

معلوم ہوا کہ هَوٰی کا یعنی بُری خواہشات کا ہونا ضروری ہے، ان خواہشات کو روکنے ہی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ خونِ تمنّا تقویٰ کی بنیاد ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ خواہشات ہی نہ ہوں وہ تقویٰ کا مٹیریل، تقویٰ کا خزانہ ہی برباد کرنا چاہتا ہے، اس لیے ان خواہشات سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب زیادہ بُری خواہشات آئیں تو سمجھ لو اب تقویٰ کا بازار زیادہ گرم ہوگا، جب زیادہ بریک لگاؤ گے، بُرے تقاضوں پر عمل سے زیادہ بچو گے تو زیادہ غم اُٹھانا پڑے گا، جب زیادہ غم اُٹھاؤ گے تو اجر زیادہ ملے گا۔ اَلۡمُشَاهَدَةُ بِقَدۡرِ الۡمُجَاهَدَةِ اللہ کا قرب اتنا ہی عطا ہوتا ہے جتنی آدمی مشقت اُٹھاتا ہے۔ اللہ کے راستے میں جتنا غم اُٹھاتا ہے اتنی ہی ایمان کی مٹھائی ملے گی۔

خونِ تمنا کا انعام کیا ہے؟

آپ کے پاس دو دوست آئے۔ ایک کو آپ تک پہنچنے میں کچھ زیادہ مشکلات پیش نہیں آئیں، تھوڑا سا کہیں معمولی کانٹا لگ گیا اور اس نے آپ کو دکھایا کہ دیکھیے ایک قطرہ خون نکل آیا اور ایک دوست بڑی دور سے آیا، اس کو راستہ بھر بھیڑیے، کتے، درندے اور دشمن ستاتے، ڈراتے اور دھمکاتے رہے، بعض نے چاقو سے حملہ بھی کردیا اور آپ نے دیکھا کہ اس کے خون بہہ رہا ہے۔ آپ بتائیے آپ کس کو زیادہ نمبر دیں گے؟ اسی کو جو زیادہ مصیبت اُٹھا کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کو راضی کرتے ہیں زیادہ مصیبتیں اُٹھا کر، زیادہ غم اُٹھا کر، تو ان کے بارے میں تم کیا سوچتے ہو؟ اپنی تمناؤں کا خون پینا کوئی آسان کام نہیں ہے، یہ باطنی شہادت ہے، اندر اندر خون بہہ گیا، سوائے خدا کے کسی کو اس کی خبر نہیں، لیکن اس کا انعام کیا ہے؟ میرا شعر ہے ؎

ہائے جس دل نے پیا خونِ تمنا برسوں
اس کی خوشبو سے یہ کافر بھی مسلماں ہوں گے

آپ جانتے ہیں کہ جو آرزوؤں کا خون پیتے ہیں، اپنی ناجائز خواہشات پر عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کو وہ خوشبو، اپنی محبت کی وہ مٹھاس، وہ حلاوت اور اپنی محبت کا وہ درد عطا کرتا ہے جس کی خوشبو سے ناقص مسلمان کامل ہوتے ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ کافر بھی ان کو دیکھ کر مسلمان ہوجاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اللہ کے راستے میں کوڑے کھائے تھے، سب مسلمانوں کو پتا تھا کہ انہیں کوڑے لگے تھے اور اسی صدمے سے ان کا انتقال ہوا۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ جلد اوّل میں ان کے حالات میں بیان فرماتے ہیں کہ اَسْلَمَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا یَوْمَ وَفَاتِہٖ ان کا جنازہ دیکھ کر بیس ہزار کافر یہودی و عیسائی مسلمان ہوگئے۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

یہ سارے یہودی عیسائی اس بنا پر مسلمان ہوگئے کہ یہ شخص اللہ کا کتنا عاشق تھا، اگر چاہتا تو مسئلہ بدل دیتا یا خاموش رہتا، لیکن انہوں نے اپنی جان و آبرو کی پروا نہ کی اور محض اللہ کی رضا کے لیے کوڑے کھائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھئی اللہ کے راستے میں گناہ چھوڑنے سے

تکلیف کے سوا کیا ملے گا؟ تو یہ تکلیف اُٹھانے کا حوصلہ نہ ہونا قلتِ محبت کی علامت ہے۔ حضرت سرمد فرماتے ہیں کہ۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد

سرمد شکوہ شکایت مت کرو، دو کام میں سے ایک کام کرڈالو۔

یاتن برضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

یا جسم کو اللہ کی رضا پر فدا کردو یا دوستی و وفاداری کے دعویٰ سے دست بردار ہو جاؤ۔ جو یہ شکوہ گلہ کرتا ہے کہ بھئی نظر بچانا تو بہت مشکل ہے، وہ کس منہ سے کہتا ہے کہ مجھے اللہ تک پہنچنا ہے، اللہ والا بننا ہے؟ اگر شکلوں سے نظر بچانا مشکل ہے تو یہ مشکل تمہاری ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ شکل اشکال سے ہے، اشکال کا مادہ شکل ہے، آپ اشکال کے مادے میں گھستے ہی کیوں ہو؟ اسی لیے شکل سے اشکال میں اور اشکال سے مشکل میں پڑجاتے ہو۔ آپ شکلوں کو اگر نہ دیکھیں تو راستہ آسان ہے۔

اللہ کے راستے کی لذّت کیسے ملتی ہے؟

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حکیم اختر! اللہ کا راستہ مشکل ضرور ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو لذیذ بنانے کا نسخہ قرآنِ پاک میں نازل فرمادیا:

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ[۹]

اللہ والوں یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کے پاس رہو، تو ان کی برکت سے اللہ کا راستہ صرف آسان نہیں ہوگا بلکہ مزیدار بھی ہوجائے گا، ایک ہی سجدے میں مزہ آجائے گا، اس کے

۹ التوبۃ:۱۱۹

سامنے سلطنت فیل ہو جائے گی، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی میں اللہ وہ مزہ دے گا جو مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی! حضرت تھانوی اس وقت چھوٹے تھے عمر میں، بزرگ اپنے چھوٹوں کا نام لیتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ میاں اشرف علی! کیا بتاؤں کہ جب سجدہ کرتا ہوں تو کیا مزہ آتا ہے؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اللہ نے مجھے پیار کرلیا ہو۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو رحمٰن کے قدموں پر اس کا سر ہوتا ہے۔ ایک شاعر سجدہ کا منظر بیان کررہا ہے ؎

پردے اٹھے ہوئے بھی ہیں، اُن کی اِدھر نظر بھی ہے
بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگِ در بھی ہے

کعبہ کی طرف جو سجدہ کیا جاتا ہے تو شاعر کہتا ہے کہ میں کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا، کعبہ کی طرف رُخ کرتا ہوں ؎

کافر ہے جو سجدہ کرے بت خانہ سمجھ کر
سر رکھا ہے ہم نے درِ جانانہ سمجھ کر

میں اس پتھر کو سجدہ تھوڑی کررہا ہوں، ”کعبۃ اللہ“ اللہ کی چوکھٹ ہے، اللہ نے اس کو اپنا گھر بتایا ہے، اس لیے اس کی طرف رُخ کر کے سجدہ کررہا ہوں ورنہ اصل میں ہمارا قبلہ ربّ البیت ہے، کیوں کہ ان کا حکم ہے کہ اس گھر کی طرف اگر رُخ کرلوگے تو ہماری ہی طرف رُخ ہو جائے گا، بیت الرّب کی طرف رُخ کرنا اصل میں ربّ البیت کی طرف رُخ کرنا ہے۔

اللہ والا بننے کا طریقہ

تو میں عرض کررہا تھا کہ اللہ کے دوستوں کے ساتھ چند دن گزار لو، ان کی صحبتوں کی برکت سے تم بھی اللہ والے بن جاؤ گے۔ ایک دیسی آم کڑوا اور کھٹا تھا جو اس کو کھاتا تھو تھو کرتا۔ اس دیسی آم نے کیا کیا؟ لنگڑے آم سے قلم لگوالی۔ ٹنڈو جام کے اٹامک انرجی کالونی میں ایگریکلچر ڈپارٹمنٹ والوں میں بعضے اس کے دوست تھے۔ دیسی آم نے ان سے کہا کہ بھئی سنا

ہے کہ آپ لوگ دیسی آم کو لنگڑا آم بناتے ہیں، ذرا ہم کو بھی لنگڑا آم بنادو، کیوں کہ ہمیں جو کھا رہا ہے تھوک رہا ہے، تو میرا دام بھی کم ہے، نام بھی کچھ نہیں اور کام بھی خراب ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے اور فوراً لنگڑے آم کی قلم لگادی، دیسی آم کے ساتھ لنگڑے آم کی شاخ کاٹ کر پٹی باندھ دی اور دیسی آم کو کاٹتے رہے، اس کو نہیں بڑھنے دیا۔

جب تک فنائے رائے کی ہمت نہ پایئے
کیوں آپ اہلِ عشق کی محفل میں جایئے

چند دن کے بعد دیسی آم لنگڑا آم بن گیا، لذت بھی بدل گئی، نام بھی بدل گیا، کام بھی بدل گیا، دام بھی بدل گیا۔ لنگڑا آم بننے کا شوق ہے تو اپنے آپ کو مٹانا بھی پڑے گا۔

تِلی کے تیل نے کہا کہ مجھے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں، قیمت بھی بہت معمولی ہے اور گلِ روغن صاحب کی بڑی قیمت ہے، بڑے بڑے بادشاہ اور شیخ اور مفتی گل روغن سر میں لگا رہے ہیں اور تِلی کے تیل کو معمولی لوگ لگاتے ہیں۔ تو جو گل روغن بنانے والا تھا اس نے کہا کہ بھئی تم بھی گل روغن بن جاؤ۔ اس نے پوچھا کیسے؟ کہا کہ پہلے تمہیں ذرا رگڑنا پڑے گا، تمہاری بھوسی چھڑانی پڑے گی، یعنی چھلکا اُتارنا پڑے گا تاکہ گلاب کے پھول میں رکھنے کے بعد اس کی خوشبو تیرے اندر گھس جائے۔ موٹے موٹے پردوں میں جو تیرا تیل گھسا ہے وہ کیسے گلاب کی خوشبو کو لے سکتا ہے؟ اس کے لیے مجاہدہ کرنا پڑے گا، مجاہدہ کے بعد گلاب کے پھولوں کی خوشبو تجھ میں داخل ہوگی۔

نگاہ بچانے کا غم جو ہوتا ہے دل کی بھوسی چھڑا دیتا ہے، نفس کے چھلکے اُتر جاتے ہیں، اس کے بعد پھر ذکر اللہ کا مزہ دیکھو۔ ایک نظر بچا کر آؤ اور تسبیح اُٹھاؤ اور ایک بار اللہ کہو، پھر دیکھو کہ اللہ کہنے میں کیا نور محسوس ہوتا ہے۔

اللہ کی محبت کے مزے

کنز العمال میں حدیثِ قدسی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص میرے خوف سے اپنی نظر بچائے گا، میں اس کو ایسا انعام عطا کروں گا جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں پائے گا۔

يَجِدُ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ فِيْ قَلْبِهٖ[1]

جہاں جہاں حلاوت کا ذکر ہے وہاں **يَجِدُ** کا لفظ آیا ہے، **يَشْعُرُ وَيَحِسُّ** نہیں فرمایا کہ وہ محسوس کرے گا یا شعور کرلے گا، **اَدْرَكَ يُدْرِكُ** بھی استعمال نہیں کیا، **يَجِدُ** فرمایا یعنی وہ واجد ہوگا اور حلاوتِ ایمانی اس کے قلب میں موجود ہوگی۔ سبحان اللہ۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑگئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

اللہ تعالیٰ دل میں خاص قُرب کی لذت ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے ساری دنیا کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چو حافظ گشت بے خود کے شمارد
بیک جو مملکت کاؤس و کے را

حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو جب میں محسوس کرتا ہوں، جب حافظ اللہ کی محبت میں مست ہو کر اللہ اللہ کرتا ہے، تو اتنا مزہ آتا ہے کہ کاؤس اور کے کی سلطنتوں کو ایک جو کے عوض خریدنے کے لیے تیار نہیں۔ سبحان اللہ! اللہ ہی جانتے ہیں کہ کیا دیتے ہیں اور اولیاء اللہ ہی جانتے ہیں کہ کیا پاتے ہیں، دوسرا کوئی نہیں جانتا۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دَمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دَم مگر آواز نہیں ہے

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

استقامت کے معنیٰ

تو میں عرض کررہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ** جن

[1] کنز العمال: ۳۲۸/۵ (۱۳۰۶۸)، الفرع فی مقدمات الزنا والخلوۃ، مؤسسۃ الرسالہ

لوگوں نے دل سے یہ اقرار کرلیا کہ ہمارا رب "صرف" اللہ ہے۔ دیکھو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "صرف" کا ترجمہ کیا ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے **تَقْدِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ** یعنی اس آیتِ پاک میں **اَللّٰہ** مبتدا مقدّم تھا اور **رَبُّنَا** اس کی خبرِ مؤخر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خبر کو مقدم کیا تاکہ حصر کے معنیٰ پیدا ہوجائیں، لہٰذا ترجمہ یہ ہوا کہ جو شخص اقرار کرلے کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شرک سے بَری ہوکر توحید اختیار کرلے، **ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** پھر اس پر جمارہے کہ اللہ کو نہیں چھوڑے۔ ایک مرتبہ جب اللہ کے در کو پکڑ لیا تو پھر ساری زندگی نہیں چھوڑا، ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ تعریف فرمارہے ہیں۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ بھئی ہم سے گناہ تو چھوٹتے نہیں، پھر کیا فائدہ اللہ اللہ کرنے کا، نماز روزہ کرتے رہنے کا؟ ارے ظالم! گناہ کو تو نہ چھوڑا، اللہ کو چھوڑ دیا۔ تم نے تو استقامت کے بالکل خلاف کام کیا۔ ارے بھئی! اگر گناہ نہیں چھوٹتے تو اللہ کو بھی نہ چھوڑو، تم استغفار سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑتے رہو، اگر گناہ نہیں چھوٹتے تو اس کا علاج اہل اللہ سے پوچھو۔ ہمت کرو، پھر بھی اگر کبھی کبھار تم گِر جاؤ تو استغفار کرکے اللہ کو راضی کرنے میں لگے رہو۔ اللہ کو کسی حال میں مت چھوڑو۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

اگر سو بار بھی توبہ ٹوٹ جائے تو نااُمید نہ ہو، پھر جوڑو۔ کہاں جاؤ گے؟ کوئی اور اللہ تو ہے نہیں۔ گناہ گاروں کا کوئی اور اللہ نہیں ہے، سب کا وہی اللہ ہے، ایک ہی دروازہ ہے۔

ایسے لوگ جو اللہ کو نہیں چھوڑتے، جمے رہے، یا اگر کبھی کوتاہی ہوتی ہے تو توبہ کرکے استغفار کرکے درست ہوجاتے ہیں، یہ بھی لگے رہنے والوں میں ہیں۔ جیسے جماعت چھوٹ گئی، اب کسی کو تلاش کرکے جماعت کرلی یا مان لو نماز ہی چھوٹ گئی، سو گئے، تو کیا اللہ سے رشتہ ٹوٹ گیا؟ نہیں! جب سو کر اُٹھو تو ناشتہ مت کرو، پہلے وضو کرکے نماز ادا کرو، پھر ناشتہ

کرو، بس اللہ سے پھر رشتہ جُڑ گیا، پھر استقامت آگئی۔ جمے رہنے کے یہی معنیٰ ہیں، جمے رہنے کا یہ مطلب لوگ غلط لیتے ہیں کہ اس سے گناہ ہی نہیں ہو گا، وہ فرشتہ ہو جائے گا، معصوم ہو جائے گا۔ نہیں! مطلب یہ ہے کہ استغفار کرتے رہو اور ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑتے رہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اَرۡحَمُ اُمَّتِیۡ ہیں یعنی اُمت کے ساتھ سب سے زیادہ رحم دل۔ انہوں نے یہ روایت بیان کی، یعنی حدیث کے پورے مجموعے میں دو چار روایتیں ہیں صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور ان ہی دو چار روایتوں میں یہ حدیث بھی ہے۔ چوں کہ یہ اُمت پر رحمت کا معاملہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے نبی کی اُمت گناہ کرنے سے مایوس ہو جائے، اس لیے بوجۂ رحمت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان فرمایا۔ یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے:

مَا اَصَرَّ مَنِ اسۡتَغۡفَرَ وَلَوۡ عَادَ فِی الۡیَوۡمِ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً[۱۱]

یعنی جو شخص استغفار کرتا رہے، معافی مانگتا رہے، روتا رہے، گڑگڑاتا رہے اور ہمت سے ارادہ کرلے کہ آیندہ گناہ نہیں کرنا ہے، تو گناہ گاروں میں تو کیا، اس کا شمار گناہ پر اصرار کرنے والوں میں بھی نہیں ہو گا، اگرچہ دن میں ستر مرتبہ اس کی توبہ ٹوٹ جائے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں ”اصرار“ کی تعریف بیان کی کہ:

اَلۡاِصۡرَارُ الشَّرۡعِیُّ اَلۡاِقَامَۃُ عَلَی الۡقَبِیۡحِ بِدُوۡنِ الۡاِسۡتِغۡفَارِ وَالرُّجُوۡعِ بِالتَّوۡبَۃِ[۱۲]

یعنی برائی پر قائم رہنا اور استغفار و توبہ نہ کرنا یہ ہے اصرارِ شرعی۔

وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾[۱۳]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام آگیا ہے تو تھوڑا سا میں ان کا ذکر کرتا ہوں، اس لیے کہ اللہ والوں کے تذکروں سے اللہ کی رحمت برستی ہے۔

---

[۱۱] مشکوٰۃ المصابیح: ۲۰۴، باب الاستغفار والتوبۃ، المکتبۃ القدیمیۃ

[۱۲] روح المعانی: ۶۱/۴، اٰل عمرٰن (۱۳۵)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۳] اٰل عمرٰن: ۱۳۵

تذکرہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مَردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ اَنَا اَوَّلُ الْاِسْلَامِ میرا اسلام اوّل ہے یعنی میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ ان کے والد کا نام ابو قحافہ ہے۔ اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چند خصوصیات ہیں جو اُمت کے کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں۔ پہلی خصوصیت یہ کہ اُمت میں سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ تیسری یہ کہ ان کی چار پشت صحابی ہے، کسی دوسرے صحابی کو یہ مقام حاصل نہیں ہے۔ شیخ ولی الدین، صاحبِ مشکوٰۃ اسماء الرجال میں فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کو یہ نعمت حاصل نہیں کہ اس کی چار پشت صحابی ہو۔ سبحان اللہ! یہ اللہ کی عطا ہے۔ چوتھی خصوصیت ہے:

لَمْ یُفَارِقْهُ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا فِی الْاِسْلَامِ

یعنی بعضے لوگ تو اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عاشق ہوئے، لیکن یہ اسلام لانے سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے۔ یہ الاکمال فی اسماء الرجال کی عبارت نقل کر رہا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے انتظامات پہلے ہی آسمانوں میں ہو چکے تھے۔ روایت میں ہے کہ شام میں انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا جس کو انہوں نے ایک نصرانی پادری سے بیان کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر بتاؤ۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا۔ نصرانی پادری نے خواب سن کر کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کے مکہ شریف میں ایک نبی پیدا ہوں گے۔

وَاَنْتَ تَكُوْنُ وَزِيْرَهٗ فِیْ حَيَاتِهٖ وَخَلِيْفَتَهٗ بَعْدَ وَفَاتِهٖ

ان کی حیات میں آپ ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جا کر عرض کیا کہ مَا الدَّلِيْلُ عَلٰى مَا تَدَّعِیْ؟ آپ جس چیز کا دعویٰ فرماتے ہیں یعنی نبوت کا تو آپ کے پاس اپنے اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو خصائصِ کبریٰ جلد اوّل میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ملک شام والے خواب کا زندگی بھر کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدَّلِيْلُ عَلٰى مَا أَدَّعِيْ رُؤْيَاكَ الَّتِيْ رَاَيْتَهَا بِالشَّامِ

میری نبوت کی دلیل تمہارا وہ خواب ہے جو تم نے ملک شام میں دیکھا تھا۔ بس اتنا سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ سچے نبی ہیں، کیوں کہ جانتے تھے کہ میں نے کائنات میں کسی سے یہ خواب نہیں بیان کیا، لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ وحیِ الٰہی سے اطلاع فرماتے ہیں۔ چناں چہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے مارے خوشی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ [۱۴] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔ یہ ہیں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ۔

استقامت کا انعام

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو مرتے دم تک دین پر استقامت سے اور جم کر رہتے ہیں:

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے فرشتے اُتریں گے۔ یہ ہے استقامت کا انعام کہ ان پر فرشتے اُتریں گے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کہاں کہاں اُتریں گے؟ حکیم الامت بیان القرآن میں بین القوسین فرماتے ہیں کہ فرشتے تین مرتبہ اُتریں گے، مرتے وقت، قبر میں اور پھر بعث کے وقت یعنی قیامت کے دن۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں بھی یہی نقل کیا کہ:

عِنْدَ الْمَوْتِ وَفِي الْقَبْرِ وَعِنْدَ الْبَعْثِ [۱۵]

یہ عبارت تفسیر روح المعانی کی ہے۔ یعنی فرشتے اُتریں گے موت کے وقت، قبر میں اور بعث کے

[۱۴] الخصائص الکبریٰ: ۹/۱، باب من اسباب اسلام ابی بکر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
[۱۵] روح المعانی: ۱۲۱/۲۴، حٰمٓ السجدۃ (۳۰)، دار احیاء التراث، بیروت

وقت یعنی قیامت کے دن۔ اور یہ فرشتے کہیں گے اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا خوف کے معنیٰ اندیشہ کے ہیں یعنی مستقبل کا اندیشہ اور حزن کے معنیٰ ہیں ماضی کا غم۔ اَلَّا تَخَافُوْا یعنی آخرت کی آنے والی ہولناکیوں کا اندیشہ نہ کرو وَ لَا تَحْزَنُوْا اور دُنیا چھوڑنے کا غم مت کرو کیوں کہ آگے تمہارے لیے امن اور نعم البدل ہے۔ امن تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں جاؤ گے اور نعم البدل اس لیے کہ کہاں دنیا اور کہاں جنت کی نعمتیں! اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے پیغمبر کی معرفت وعدہ کیا گیا تھا۔

تفسیر نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ الخ

فرشتے کہیں گے:

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ

ہم تمہارے رفیق تھے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیان القرآن میں بین القوسین فرماتے ہیں کہ فرشتے دنیا میں اللہ والوں کے ساتھ کس طرح رہتے ہیں؟ کیا کام کرتے ہیں؟ ان کی ڈیوٹی کس طرح کی ہوتی ہے؟ فرماتے ہیں وہ نیکیوں کا الہام کرتے ہیں، یعنی ہر وقت اچھے اعمال کے تقاضے دل میں ڈالتے رہتے ہیں جیسے تہجد پڑھنے کے، اشراق پڑھنے کے اور حوادث میں صبر اور سکینہ نازل کرتے ہیں۔ فرشتوں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ اگر اللہ کے خاص بندے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ان کے دل کو سہارا دیتے ہیں، ہارٹ فیل نہیں ہونے دیتے، بدحواس و پاگل بھی نہیں ہونے دیتے اور خودکشی بھی نہیں کرنے دیتے۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں کسی ولی اللہ سے خودکشی ثابت نہیں ہے، جبکہ آج کل کے ترقی یافتہ سمجھے جانے والے ماڈرن ممالک یورپ، امریکا، اسپین وغیرہ سے اگر خودکشی کی رپورٹ منگوائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ خودکشیاں وہیں ہوتی ہیں۔

اسلام آباد میں ایک فرانسیسی طالب علم جو کشمیر میں کسی مدرسے میں پڑھ رہا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ میری ماں نے دو دفعہ خودکشی کرنے کی کوشش کی، میری بہن نے بھی

اقدامِ خودکشی کیا اور خود میں نے بھی خودکشی کی کوشش کی، پھر میں نے دل بہلانے کے لیے مختلف ملکوں کے سفر شروع کردیے۔ اسی دوران کہیں تبلیغی جماعت والوں کو دیکھا کہ انہیں بڑی آسانی سے نیند آجاتی ہے۔ یہ سڑک پر، دریا کے کنارے اور مسجدوں کی چٹائیوں پر خراٹے لیتے ہیں اور ہم کو مخمل کے گدوں پر Valium-5 کھاکر بھی نیند نہیں آتی۔ تو میں نے دل میں سوچا کہ ان کے پاس ضرور کوئی اعلیٰ کوالٹی کی چیز ہے، لہٰذا میں ان کے ساتھ لگ گیا، پھر اسلام قبول کرلیا۔ اب میں مولوی بن رہا ہوں۔ بعد میں فرانس کا یہ لڑکا جامعہ فاروقیہ سے فارغ ہوا۔

تو میں عرض کررہا ہوں کہ مصائب و حوادث میں فرشتوں کی ڈیوٹی کیا ہوتی ہے؟ اللہ والے جو دین پر جمے رہتے ہیں، دنیا میں حوادث کے وقت ان پر ملائکہ صبر اور سکینہ کا فیض دیتے رہتے ہیں اور آخرت میں ان کے استقبال کے لیے اور انہیں مبارک باد پیش کرنے کے لیے جنت کے دروازوں سے داخل ہوں گے:

وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾[۱۶]

وغیرہ خود آیات میں وارد ہے۔

تکمیلِ تمنّا کی جگہ جنت ہے

وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ کا ترجمہ یہ ہوا کہ اس جنت میں جس چیز کو تمہارا دل چاہے گا تمہارے لیے موجود ہے اور وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ کا یہ ترجمہ ہے کہ جو چیز تم مانگو گے وہ بھی موجود ہے یعنی دونوں اقسام کی خواہشات کا انتظام ہے، ایک تو بلا اختیار دل چاہ گیا۔ بعض وقت دل میں ارادہ نہیں ہوتا اور دِل چاہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اِضطرار بلا اختیار بھی تمہارے دِل میں کوئی آرزو پیدا ہوئی وہ بھی میں پوری کردوں گا۔ اور اگر تم اپنے اختیار سے کوئی نعمت مانگو گے وہ بھی دوں گا۔ سبحان اللہ! وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ یہ اضطراری خواہشات کی تکمیل ہے اور وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ اور جو مانگو گے وہ بھی دوں گا، یہ اختیاری خواہشات کی تکمیل ہے۔

---

[۱۶] الرعد:۲۳

حوروں سے زیادہ حسین

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جنت میں ہم عورتیں زیادہ حسین ہوں گی یا حوریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بیویاں حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی۔ روح المعانی نے حدیث نقل کی ہے کہ ایسی بیویاں جو عجوز ہو چکی ہیں اور عَمشاء ہیں، رَمشاء ہیں، یعنی چندھیائی ہوئی آنکھوں والی بڈھی ہیں اور رمصاء یعنی ایسی بڑھیا ہیں جن کی آنکھوں سے کیچڑ بہتا ہے، یہ سب کی سب جنت میں جب جائیں گی تو ان سب کو عالمِ شباب دیا جائے گا اور حوروں سے زیادہ حسین کر دیا جائے گا اور سب ہمیشہ باکرہ یعنی کنواری رہیں گی، صحبت کے بعد ان کو پھر نئی کر دیا جائے گا۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم عورتیں جنت میں ان سے زیادہ حسین کیوں ہوں گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بِصَلٰوتِهِنَّ وَصِيَامِهِنَّ وَعِبَادَتِهِنَّ اَلْبَسَ اللّٰهُ وُجُوْهَهُنَّ النُّوْرَ[کے]

کیوں کہ تم نمازیں پڑھتی ہو، روزے رکھتی ہو، عبادتیں کرتی ہو جبکہ حوروں نے روزہ نہیں رکھا، نمازیں نہیں پڑھیں، عبادت نہیں کی اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے نور کو تمہارے چہروں پر ڈال دے گا۔ لہٰذا میں کہتا ہوں کہ اپنی بیویوں کی ناقدری مت کرو۔ چند دن کا معاملہ ہے پھر جنت میں یہ ایمان والیاں حوروں سے افضل ہوں گی اور کیا معلوم کہ ان کا ایمان ایسا ہو کہ ان کی برکت سے تمہاری بھی بخشش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں کہ یہ میری بندی تھی، تم نے دنیا میں میری اس بندی کا غم جھیلا، جیسے تیسے کر کے تم نے زندگی پار کرلی۔ جاؤ آج اسی کے طفیل ہم تمہارے سب گناہ معاف کرتے ہیں اور تمہیں جنت عطا فرماتے ہیں۔

اہلِ جنت کی شان

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:

کے روح المعانی: ۲۷/۱۳۶، دار احیاء التراث، بیروت

يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِيْنَ

جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے داڑھی نہیں ہوگی اور نہ ان کی گردن میں اور بغل میں بال ہوں گے۔ مرداً یعنی اَمرد ہوں گے۔ ۱۶، ۱۷ سال کے لڑکوں جیسے جن کی داڑھی مونچھ نہ آئی ہو، سارے ایسے ہوں گے۔ لہٰذا اگر آپ کو یہاں داڑھی کچھ کھل رہی ہو تو یہ مزہ آپ جنت میں لیجیے گا، قبل ازوقت ایڈوانس مزہ نہ لیجیے۔ چند دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرلو، پھر لاکھوں سال کروڑوں سال کیا ہمیشہ ہمیشہ، آپ کے گال چکنے رہیں گے۔ یہ نعمت وہاں کے لیے رکھو۔ یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارلو۔ اور اہلِ جنت **مُكَحَّلْ** ہوں گے یعنی آنکھوں میں کاجل لگی ہوگی، قدرتی کاجل، خود نہیں لگانا پڑے گی۔ اور جنت میں انسان کی عمر کیا ہوگی؟

ثَلَاثِيْنَ اَوْ ثَلَاثٌ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً[۱۸]

یعنی تیس سال یا تینتیس سال کی عمر ہوگی۔

اس پر ایک صاحب نے اشکال کیا کہ صاحب ہم تو یہاں اٹھارہ سال کو عالمِ شباب سمجھتے ہیں۔ تینتیس سال میں تو آج کل بعضوں کے بال پکنے لگتے ہیں تو علامہ آلوسی نے اس کو حل کردیا کہ اس سے مراد تیس تینتیس نہیں ہے، اس سے مراد کمالِ شباب ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ان میں بڑھاپے کے آثار شروع ہوجائیں گے۔ وہاں کے معاملے کو اس دنیا پر قیاس مت کرو، وہاں اور ہی معاملہ ہوگا۔

علامہ آلوسی حوروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حور کے معنیٰ کیا ہیں؟ حور کا لفظ دو ابواب سے آتا ہے **نَصَرَ يَنْصُرُ** اور **سَمِعَ يَسْمَعُ** اگر **سَمِعَ يَسْمَعُ** سے آتا ہے تو معنیٰ یہ ہیں کہ آنکھ کی سفیدی نہایت چمکیلی ہو اور پُتلی نہایت کالی ہو۔ اور **نَصَرَ يَنْصُرُ** سے مطلب یہ ہوگا کہ جو حیرت میں ڈال دے۔ یعنی ایسا حسن اللہ تعالیٰ عطا کرے گا کہ آپ محوِ حیرت ہوجائیں گے۔ کوئی چیز انتہائی عجیب ہوتی ہے جبھی تو آدمی حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

---

۱۸ جامع الترمذی: ۸۱/۲، باب ما جاء فی سِن اهل الجنة، ایچ ایم سعید

نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے جنت میں ہر چیز کا انتظام کر رکھا ہے۔ جنت میں جس چیز کو تمہارا دل چاہے گا موجود ہے اور جو مانگوگے وہ بھی موجود ہے۔ یعنی طلب اختیاری ہو یا اضطراری دونوں پوری کر دی جائیں گی۔ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ اور یہ انعامات جو جنت میں ملیں گے یہ ایسے نہیں ملیں گے جیسے سیٹھ لوگ اپنے ملازم یا چپڑاسی کو پھینک کر تنخواہ دیتے ہیں یا باسی کھانا ان کو دے دیا کہ لو تم کھالو۔ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ اللہ تعالیٰ جنتی کو اِکرام کے ساتھ مہمانوں کی طرح دیں گے۔ نُزُلٌ بمعنی مہمانی کے ہیں۔ اور یہ مہمانی کیوں کریں گے؟ بوجہ رحمت کے۔ بعض اوقات رحمت کی وجہ سے چھوٹوں کو بھی پیار کرلیا جاتا ہے۔ دیکھو کبھی چھوٹے بچے آتے ہیں تو ماں باپ ان کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ جاتے ہیں کہ میرا بیٹا آرہا ہے۔ اور پھر ان کو لاکر بڑے اکرام سے کھانا کھلاتے ہیں۔ تو کیا اس بات سے باپ چھوٹا ہوگیا؟ نہیں! یہ غلبۂ محبت ورحمت ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں ہم تمہارا جو اکرام کریں گے وہ اس لیے ہوگا کہ ہم غفور اور رحیم ہیں، بوجہ میری مغفرت اور شانِ رحمت کے ہوگا، بوجہ رحمت کے مجھے پیار آئے گا کہ انہوں نے میری خاطر بڑے غم اُٹھائے، بڑے مجاہدے کیے۔

حسنِ خاتمہ کے لیے تین اعمال

ایمان اور استقامت پر کیا کیا انعامات ملیں گے وہ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر سے سن لیے لیکن جس حسنِ خاتمہ کے نسخے کا وعدہ تھا وہ ان شاء اللہ آیندہ بیان کروں گا۔ فی الحال اجمالاً بیان کردیتا ہوں اور تفصیل پھر آیندہ تاکہ اس کا انتظار اور شوق رہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان پر خاتمے کے لیے تین عمل کرلو، ان کی برکت سے ان شاء اللہ ایمان پر خاتمہ ہوگا۔

۱) موجودہ ایمان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ[۱۹]

اگر تم شکر کروگے تو ہم نعمت زیادہ دیں گے تو موجودہ ایمان پر شکر کی برکت سے ایمان میں ترقی ہوگی اور جب ترقی ہوگی تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ حالتِ کفر پر کوئی مر جائے۔

۲) اس دُعا کا معمول بنانا:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَیۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝۸[۲۰]

۳) کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرنا۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

❖ ❖ ❖

وہ خاکی جس زمیں پر آیا بن کر آسماں آیا

بہ فیضِ مرشدِ کامل جو نسبت کا ہوا حامل
وہ خاکی جس زمیں پر آیا بن کر آسماں آیا

ہزاروں خونِ حسرت سے بہت خونِ تمنا سے
شکستہ دل میں آیا اور پھر کیسا عیاں آیا

معیت خاصہ جب اہلِ دل کو مل گئی اخترؔ
وہ جب آیا ہے منبر پر تو با سحرِ بیاں آیا

اخترؔ

۱۹؎ ابرٰھیم:۷

۲۰؎ اٰل عمرٰن:۸

اصلاح کا آسان نسخہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دو رکعت نفل نمازِ توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ

اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، سخت گناہ گار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے، آپ ہی قوت دیجیے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجیے۔ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کیے ہیں، انہیں آپ اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آیندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آیندہ پھر کروں گا، لیکن پھر معاف کرالوں گا۔

غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار، اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو۔ بدپرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا ہو جائے گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی، شان میں بٹہ بھی نہ لگے گا اور دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جائے گا کہ جو آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، ساری زندگی ایمان پر جمے رہنا اور ایمان پر مرنا ہر مسلمان کا نصب العین ہوتا ہے۔ ایمان پر استقامت اور خاتمے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو راستے بتائے ہیں ایک نیک اعمال کرنا، دوسرے گناہوں سے بچنا۔ مسلمانوں کی اکثریت نیک اعمال پر تو جلد راغب ہوجاتی ہے لیکن دل میں موجود گناہوں کی رغبت سے دامن چھڑانا نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ ''خون تمنا کا انعام'' میں ایک عجیب مضمون نہایت مؤثر اور نصیحت آمیز انداز میں بیان فرمایا ہے کہ بے شک گناہوں سے بچنے میں دل کو تکلیف ہوتی ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے، تمنا کرتا ہے کہ کاش میں گانے سن لیتا، کاش اس حسین کو دیکھ لیتا، کاش فلاں گناہ کرلیتا۔ دل میں گناہ کرنے کی تمنا اور تقاضا تو ہوتا ہے لیکن اس تقاضے پر عمل نہیں کرتا تو دل کے اس خون تمنا پر اللہ تعالیٰ جو انعامات عطا فرماتے ہیں وہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے۔

www.khanqah.org

AW056